معرفتِ ضبطِ راوی- طرق ووسائل کتب علوم الحدیث کا تحقیقی مطالعہ

Realization of (scrutny of) memory of the arratormethodology and resources
A scholarly study in the Discipline of Hadith Studies

*Dr Noor Ur Rehman
**Dr Zia Ur Rehman
***Dr Muhammad Imran

Abstract:

A prerequisite of authenticity of Hadith is upon the narrator's strong memory. The significance of this condition may be understood from this fact that the two vital branches of Uloom ul Hadith are the 'Diversity in critical evaluation and dissemination of Hadith / 'Ilm ul Jarah ul Taadeel' and the discipline of Weak narration of Hadith/ Ilm ul Alal ul Hadith revolve around the cited sole condition. The narrator's of Hadith especially the early critical narrator's had various means to verify the strong memory power of the narrator's. Most of these sources have become beyond the reach of the latter or contemporary Hadith scholars. This critical assessment of the narrators'memory power remains a privilege of the early Hadith scholars. However the latter and contemporary Hadith scholars may employ a very narrow or limited scrutiny of the narrators. This article attempts to discuss such modalities of scrutiny or resources as cited above.

***Key words:** Zabt, Zabit, Mutaqaddimin, Mutakhirin, Maratib, Wahm, Wasail, Ehtijaj.*

صحتِ حدیث کی اساسی شرط راوی کا ضابط ہونا ہے، اس شرط کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ علوم الحدیث کی دو اہم ترین انواع علم الجرح والتعدیل اور علم علل الحدیث اسی ایک شرط "ضبط" کے گرد گھومتی ہیں۔ محدثین خصوصاً نقاد متقدمین کے ہاں راوی کا ضبط معلوم کرنے کے مختلف وسائل تھے، ان وسائل میں سے اکثر ایسے ہیں جو متاخرین اور معاصر محدثین راوی کا ضبط معلوم کرنے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے، یہ امتیاز صرف متقدمین ائمہ کو ہی حاصل تھا۔ البتہ متاخرین و معاصرین ایک محدود دائرہ میں رہتے ہوئے کچھ وسائل بروئے کار لاتے ہوئے راوی کا ضبط معلوم کر سکتے ہیں۔ زیر نظر بحث میں ان تمام وسائل پر گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

....

*Phd.Scholar,IIU-Islamabad,Email: Nrhhazarvi313@gmail.com
**Islamic Studies Department,Kohat University.K.p,Email: Mzrehman84@yahoo.com
***Assistant Professor, Shaykh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar

کسی بھی حدیث کے ''قبول'' کے لئے اساسی شرط اس کے ہر ہر راوی کا ''ضبط'' کے ساتھ موصوف ہونا ہے، راوی کا صدق وامانت اور زہد وتقویٰ کسی بھی حدیث کے ''قبول'' کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ صدق وامانت کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ وہ ضبط کے ساتھ بھی موصوف ہو، جو حدیث وہ روایت کر رہا ہے، اسے وہ اچھی طرح یاد ہو، شیخ سے حدیث لیتے وقت وہ بیدار مغز ہو، چست ہو، بوقتِ تلقی وتحمل اونگھ، غفلت وغیرہ کو خود پر مسلط نہ ہونے دے، پراگندگی وذہنی انتشار سے خود کو بچائے رکھے، اور جب آگے اوروں تک احادیث پہنچائے تو اس وقت بھی ان امور سلبیہ سے خود کو بچائے رکھے؛ یہی وجہ ہے کہ ضبط میں خلل، رد حدیث کا سبب ہوتا ہے۔

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں: «لا تقبل رواية من عرف بالتساهل في سماع الحديث أو إسماعه، كمن لا يبالي بالنوم في مجلس السماع، وكمن يحدث لا من أصل مقابل صحيح، ومن هذا القبيل من عرف بقبول التلقين في الحديث. ولا تقبل رواية من كثرت الشواذ والمناكير في حديثه. جاء عن شعبة أنه قال: "لا يجيئك الحديث الشاذ إلا من الرجل الشاذ".
ولا تقبل رواية من عرف بكثرة السهو في رواياته إذا لم يحدث من أصل صحيح. وكل هذا يخرم الثقة بالراوي وبضبطه»۔ یعنی: ''جو شخص حدیث سننے یا بیان کرنے میں تساہل کے ساتھ معروف ہو، اس کی روایت مردود ہوتی ہے، مثلاً: وہ شخص جو مجلسِ سماع میں سوتا رہتا ہے، یا وہ ایسی کتب سے روایت کرتا ہو، جن کی تصحیح، اصل صحیح معتمد کو سامنے رکھ کر نہ کی گئی ہو، یا وہ حدیث میں تلقین قبول کرتا ہو، اسی طرح وہ شخص جس کی احادیث میں شواذ ومناکیر بکثرت پائے جاتے ہوں، امام شعبہؒ فرماتے ہیں: حدیث شاذ، شاذ شخص کی جانب سے ہی آتی ہے۔ اسی طرح اس شخص کی روایت بھی مقبول نہیں جو اصل صحیح سے روایت نہ کرنے کی صورت میں بکثرت غلطیاں کرتا ہے، یہ تمام امور راوی کے ضبط اور اس پر اعتماد کو متاثر کرتے ہیں''۔[(1)]

ضبطِ راوی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے، کہ اس کے نتیجے میں دو بہت بڑے علوم وجود میں آئے، ایک علم علل الحدیث اور دوم علم الجرح والتعدیل۔ بلکہ علوم الحدیث کی اکثر انواع ''ضبط'' ہی کے گرد گھومتی ہیں۔ مثلاً: منکر، شاذ، مضطرب، مزید فی متصل الأسانید، معلول (اگرچہ یہ تمام اقسام معلول ہی کے تحت آتی ہیں، مگر کتب مصطلح میں اسے چونکہ مستقل قسم کے طور پر ذکر کیا گیا ہے؛ اس لئے ہم نے بھی اسے مستقلاً ذکر کیا)، مدرج، حدیث مختلط، مقلوب وغیرہ انواع ضبط میں خلل کے نتیجے میں ہی پیدا ہوئی ہیں۔

ایک بات پر تنبیہ کرنا مناسب لگتا ہے، وہ یہ کہ ائمہ کسی بھی حدیث پر حکم لگاتے وقت اس کے ضبطِ اجمالی یا مجموعی ضبط پر اکتفاء واقتصار نہیں کرتے، جیسا کہ اکثر متأخرین ومعاصرین کا طریقہ ہے، بلکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ راوی

کے ضبطِ خاص کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں؛ چنانچہ وہ دیکھتے ہیں کہ راوی نے یہ مخصوص حدیث ضبط کی ہے یا نہیں، اگر راوی نے یہ مخصوص حدیث ضبط کی ہو تو وہ اس کی حدیث پر صحت کا حکم لگادیتے ہیں اگرچہ وہ راوی مجموعی طور پر ثقہ نہ ہو، بلکہ ضعیف ہو، اسی طرح اگر راوی نے وہ مخصوص حدیث ضبط نہ کی ہو تو وہ اس حدیث پر ضعف کا حکم لگادیتے ہیں اگرچہ وہ راوی مجموعی طور پر ثقہ ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ راوی کے ثقہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ معصوم ہے اور اس سے غلطی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی راوی کے ضعیف ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ مجنون ہے اور وہ کبھی بھی مصیب نہیں ہوتا۔ غرض ائمہ کسی بھی حدیث پر حکم لگاتے وقت راوی کے مجموعی ضبط اور ضبط خاص یا ضبط جزئی دونوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہمارے سامنے ہیں، دونوں کتابوں میں ضعیف راویوں کی احادیث بھی موجود ہیں؛ کیونکہ شیخین نے قرائن کی مدد سے معلوم کیا کہ ان ضعیف راویوں نے یہ احادیث ضبط کی ہیں۔ اور یہی محدثین کا انصاف ہے کہ انہوں نے ثقہ اور ضعیف کو ان کا حق دیا ہے، ضعیف کو یکسر نظر انداز نہیں کیا۔ متاخرین اور خصوصًا معاصرین اور نقاد متقدمین کے احکام میں تعارض کی وجہ بھی ضبطِ راوی کی ان دونوں جہتوں کو بوقتِ نقد ساتھ لے کر نہ چلنا ہے، عمومًا متاخرین اور معاصرین جن میں شیخ البانیؒ، شیخ شعیب ارنؤوطؒ، شیخ حسین سلیم اسد دارانیؒ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، ان کا منہج نقد راوی کے ضبطِ عام پر مبنی ہے؛ یہ حضرات سند میں مذکور راویوں کو دیکھتے ہیں کہ سب ثقات ہیں اور متن مستقیم ہے تو یہ حضرات اس حدیث پر صحت کا لگادیتے ہیں، اگر سند میں کوئی ایک راوی صدوق ہے تو اس حدیث پر حسن کا حکم لگادیتے ہیں اور اگر کوئی راوی اگر ضعیف ہے تو اس پر ضعف کا حکم لگادیتے ہیں اور اگر وہ ضعیف متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہو تو اس پر حسن لغیرہ کا حکم لگادیتے ہیں، گویا ان حضرات کے نزدیک حدیث پر حکم لگانا "ریاضی کے فارمولوں" کی طرح ہے، جن میں کوئی تغیر و تخلف نہیں ہو سکتا، حالانکہ متقدمین نقاد کے ہاں نقد اس قدر سادہ اور منضبط نہیں، جتنا ان حضرات نے سمجھا ہے، متقدمین نقاد کے ہاں نقد راوی کے ضبط عام اور ضبط خاص دونوں پر بیک وقت قائم ہے، نیز ائمہ کا نقد حدیث قواعد کے ساتھ ساتھ قرائن پر مبنی ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ کا نقد قواعد کے مقابلہ میں اکثر قرائن پر مبنی ہوتا ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا، جبکہ متاخرین اور معاصرین نقد کے وقت قرائن سے زیادہ قواعد اور راوی کے مجموعی ضبط پر اعتماد کرتے ہیں؛ چنانچہ شیخ البانیؒ نے متعدد احادیث پر ائمہ حدیث کا نقد صرف ظاہر اسناد کی بنا پر رد کیا ہے اور اسی ظاہر اسناد کی بنا پر ہی شیخ البانیؒ نے صحیحین کی متعدد احادیث کی تضعیف کی ہے؛ صرف اس وجہ سے کہ ان کی اسانید میں کوئی ضعیف راوی ہے یا مدلس راوی نے عنعنہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ، جب کہ شیخین نے ان احادیث کی تصحیح قرائن کی بنیاد پر کی ہے، اسی طرح متقدمین مدلس کا عنعنہ نہیں، بلکہ اس کی تدلیس کو رد کرتے ہیں، خیر ہم اس تفصیل میں نہیں جا

ناچاہتے ورنہ اپنے موضوع سے نکل جائیں گے

متأخرین کسی راوی کا ضبط کیسے معلوم کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں؟ اس پر گفتگو سے پہلے بطور تمہید ضبط کے لغوی واصطلاحی معنی اور اس کی اقسام اور ضبط ہی سے متعلق سے کچھ اہم امور بیان کرنا ضروری ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ضبط کے لغوی معنی: لغت میں ضبط کے معنی ہیں: «لزوم الشيء وحبسه، ضبط عليه، وضبطه يضبطه ضبطًا وضباطةً»، يقال: «ضبط الشيء إذا حفظه بالجزم»، ومنه قيل: «ضبط البلاد وغيرها: إذا قمت بأمرها قيامًا ليس فيه نقصٌ»۔ یعنی: ضبط از باب ضرب یضرب ہے، جس کے معنی ہیں: کسی چیز کے ساتھ اس طرح لازم ہو جانا کہ اس سے جدا نہ ہو، کسی چیز کو پکڑنا، قابو میں لانا، پختہ و مضبوط کرنا، احتیاط و توجہ کے ساتھ محفوظ کرنا، ملک وغیرہ کا نظام اس طرح سے ٹھیک کرنا کہ اس میں کوئی کمی و نقص نہ رہے۔[2]

ضبط کے اصطلاحی معنی: محدثین کی اصطلاح میں ضبط کے معنی ہیں: «ملكة تؤهل الراوي لأن يروي الحديث كما سمعه من غير زيادة ولا نقصان»۔ یعنی: ضبط راوی کے اندر موجود ایسے ملکہ کو کہتے ہیں جس کی مدد سے وہ اپنے شیخ یا شیوخ سے سنی ہوئی احادیث بغیر کسی کمی بیشی اور تبدیلی اور قلب کے بالکل اسی طرح سنا سکے جس طرح اس کے شیخ یا شیوخ نے مجلس تحدیث میں اس کے سامنے بیان کی تھیں، چاہے یہ راوی ان احادیث کو لفظاً بیان کرے یا معنًی۔

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں اسے خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔[3]

پھر ضبط کی دو اقسام ہیں: ضبط صدر اور ضبط کتاب۔

ضبط صدر سے مراد یہ ہے کہ: راوی کو اپنے شیخ یا شیوخ سے لی ہوئی احادیث اتنی پختہ طریقے سے یاد ہیں کہ وہ جب چاہے انہیں سنانے پر قدرت رکھتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اس کے شیخ یا شیوخ نے اسے بیان کی ہیں۔

ضبطِ کتاب سے مراد یہ ہے کہ: راوی نے جس کتاب میں اپنے شیخ سے احادیث سنی ہیں، اس کتاب کی وہ ہر طرح سے حفاظت کرے، خصوصًا اس وقت تک جب تک کہ اس کتاب سے اس نے احادیث آگے لوگوں تک منتقل نہیں کی ہیں، بشرطیکہ اس نے اس کتاب کی تصحیح کسی اصل معتمد یا معتمد نسخہ کو سامنے رکھ کر کی ہو۔

مراتبِ رواۃ میں تباین کا سبب بھی یہی ''ضبط'' ہے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ راوتِ حدیث کے چار مراتب ہیں: مرتبۂ تصحیح، مرتبۂ تحسین [ان دونوں کو ایک مرتبہ بھی قرار دیا سکتا ہے: مرتبۂ قبول]، مرتبۂ ضعف خفیف، مرتبہ ضعف شدید۔

ان مراتب کو حافظ ابن رجبؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

رواۃ کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ راوی جو متہم بالکذب ہیں۔

دوسری قسم: وہ راوی جو متہم بالکذب نہیں ہیں، مگر ان کی احادیث پر وہم و خطا غالب ہے۔

تیسری قسم: وہ راوی جو صدق وامانت کے ساتھ موصوف ہیں، ان کی حدیث میں وہم و خطا بکثرت موجود ہے، مگر ان کی احادیث پر غالب نہیں۔

چوتھی قسم: وہ حفاظ ثقات ہیں، جن کی احادیث میں خطا و وہم نادر ہے یا قلیل ہے۔

حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں: ان میں سے قسم اول کے ترک وعدمِ احتجاج پر اور آخری قسم کے احتجاج پر اتفاق ہے، قسم ثانی سے اکثر محدثین احتجاج کرتے ہیں، البتہ قسم ثالث میں اختلاف ہے؛ چنانچہ یحییٰ بن معینؒ سے ایک روایت عدمِ احتجاج کی ہے، جب کہ امام ابن مبارکؒ، امام عبدالرحمن بن مہدیؒ، امام وکیع بن الجراحؒ وغیرہ حضرات نے ان جیسے راویوں سے روایات لی ہیں اور بیان بھی کی ہیں، یہی سفیان ثوریؒ اور ان اکثر اہلِ حدیث کی رائے ہے، جنھوں نے سنن وصحاح میں تصانیف لکھی ہیں، مثلاً: امام مسلم بن الحجاجؒ، جنھوں نے "مقدمہ صحیح" میں صراحتاً اس قسم کا ذکر کرکے فرمایا کہ ان کی احادیث کی تخریج کروں گا[4]۔ اسی طرح امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ترمذیؒ وغیرہم بھی انہی کی طرح اس قسم کے راویوں کی احادیث کی تخریج کی ہے، ان میں بعض ائمہ نے اپنی کتب میں ان سے نچلے درجہ کے راویوں کی احادیث کی تخریج بھی کی ہے، مگر ساتھ ساتھ ان پر تنبیہ بھی کی ہے، سکوت نہیں فرمایا۔ جب کہ یحییٰ بن سعید القطانؒ صرف قسم رابع سے احتجاج کے قائل ہیں، اور ان کے طریقہ کی جانب امام علی بن المدینیؒ اور ان کے شاگرد امام بخاریؒ[5] بھی مائل ہیں۔ [6]

ان مراتب کا -سوائے اول کے- مرجع، عدالت نہیں، بلکہ ضبط ہے؛ کیونکہ راویوں کے ان مراتب میں اس تفاوت کا اغلبی سبب "خلل فی الضبط" ہے، نہ کہ "خلل فی العدالہ"۔ عدالت میں خلل آجائے تو اس سے راوی "شدید الضعف" ہو جاتا ہے، اس میں کوئی مراتب نہیں۔ "خلل فی العدالہ" [بشرطیکہ وہ ایسا فسق نہ ہو، جو قابل تاویل ہو، جیسے: بدعت کہ یہ فسق ہے، مگر قابل تاویل ہے] کا ثمرہ ونتیجہ صرف "ضعف شدید" ہے، اس کا یہی ایک مرتبہ ہے، جس سے موصوف راوی کی حدیث، مطلقاً کسی بھی حال میں صالح للاعتبار نہیں رہتی۔

ارکانِ ضبط فی الروایہ: اہلِ علم جیسے: ابن الاثیرؒ[7] اور ان سے پہلے امام شافعیؒ وغیرہ نے ضبط سے متعلق جو کلام کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضبط تین ارکان پر قائم ہوتا ہے۔

أ-«إتقان المتلقي سماع الكلام على الوجه الصحيح» یعنی: راوی اس کلام کو غور سے، اچھی طرح سنے۔

ب-«وعي الكلام بفهم معناه الذي أريد به» یعنی: اس کلام کا معنی و مفہوم اور مراد اچھی طرح سمجھ کر یاد کرے۔

ج- «تعاهد الراوي للكلام بالمراجعة والمذاكرة؛ كي يظلّ محفوظًا، ثابتًا في الذاكرة، لا يتسرّب إليه الشكّ والنسيان إلى حين أدائه، وتبليغه الغير» یعنی: راوی اس کلام کا اپنے ساتھ مسلسل مراجعہ اور اہلِ علم کے ساتھ اس کا وقتاً فوقتاً مذاکرہ کرے؛ تاکہ وہ اس کے حافظہ میں محفوظ و برقرار رہے، اور شک ونسیان اس کی طرف سرایت نہ کرے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھے جب تک کہ وہ اسے آگے اوروں تک نہ پہنچادے۔

کسی راوی کا ضبطِ صدر سے موصوف ہونا کیسے معلوم ہوگا؟

1 -راوی کا ائمہ کے درمیان ضبطِ صدر کے ساتھ موصوف ہونا مستفیض و مشہور ہو۔ اور یہ صورت اور طریقہ سب سے اعلی و بہترین ہے۔

2 -ائمہ جرح وتعدیل میں سے کسی امام وناقد کا راوی کا تزکیہ کرنا کہ یہ اپنی احادیث کا ضابط و متقن ہے۔

3 - اگر نقاد کسی راوی کے بارے میں یہ کہیں کہ: یہ راوی ثقہ ہے اور وہ راوی صاحبِ کتاب نہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس راوی کو اپنی احادیث اچھی طرح زبانی یاد ہیں۔

4 - اسی طرح کسی راوی کا اپنے بارے میں یہ کہنا کہ:"ما كتبت سوداء في بيضاء"۔ یا "ما يضرّني أن تحرق كتبي"وغیرہ عبارات جو اس کے اتقانِ حدیث پر دلالت کرتی ہیں۔

ضبطِ کتاب معلوم کرنے کے طریقے: محدثین کے ہاں ضبطِ کتاب معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں:

1 - راوی کا ائمہ کے درمیان ضبطِ کتاب کے ساتھ موصوف ہونا مستفیض و مشہور ہو۔ اور یہ صورت اور طریقہ سب سے اعلی و بہترین ہے۔

2 - کسی معتبر امام وناقد کا اس بات پر تنصیص کرنا کہ فلاں صحیح الکتاب ہے یا اس کی کتاب محدثین میں اختلاف کے وقت حکم و قاضی ہے یا اس کی کتاب "کثیر العجم والنقط" ہے۔

3 - کسی معتبر امام وناقد کا اس امر پر تنصیص کرنا کہ راوی کی اصل یا کتاب جس سے وہ احادیث بیان کرتا ہے، کی تصحیح اس کے شیخ کی اصل کے ساتھ یا اس کے کسی معتمد نسخہ کے ساتھ موازنہ و مقارنہ کرکے کی گئی ہے۔

4 - کتاب سے بیان کردہ اس راوی کی احادیث دیگر ثقات کی احادیث کے موافق و مطابق ہیں۔

5 -اس بات پر تنصیص ہو کہ یہ راوی اپنی کتاب اور اصل اپنے پاس ہی رکھتا تھا، کسی کو عاریتاً نہیں دیا کرتا تھا؛ کیونکہ کبھی معیر سرے سے بھول بھی جاتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب کسی کو عاریتاً دی ہے اور کبھی اسے یاد نہیں رہتا کہ کس کو دی

ہے؟ پھر معار،الیہ کبھی مامون ہوتا ہے اور کبھی غیر مامون جو کتاب میں ایسی احادیث بھی داخل کر سکتا ہے، جو اس راوی کی نہ ہوں۔ اور یہ راوی کبھی ان احادیث میں اور اپنی احادیث میں امتیاز بھی نہیں کر پاتا، خصوصًا جب کہ اسے اپنی احادیث اچھی طرح زبانی یاد بھی نہ ہوں؛ نتیجتًا اس کی احادیث ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح کئی روات کے ساتھ ہوا بھی ہے۔

محدثین کے ہاں راوی کا ضبط معلوم کرنے کے طرق و وسائل:

نقاد متقدمین کے ہاں کسی بھی راوی کا اجمالی ضبط معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں، مثلًا:

1- جان بوجھ کر بقصد اختبار احادیث میں رد و بدل کرنا، جیسے: جس کی صورت یہ ہے کہ: ناقد کسی راوی کی احادیث میں ایسی احادیث داخل کر دے جو اس راوی کی احادیث میں سے نہیں ہیں، پھر اس کے سامنے وہ احادیث اس کی اپنی احادیث کے ساتھ ملا کر پڑھ دے یہ تاثر دیتے ہوئے کہ یہ سب اس کی احادیث ہیں۔ پس اگر اس نے ان مدسوس احادیث کی تقریر کرتے ہوئے انہیں قبول کر لیا تو یہ اس کے ضبط کے موجبِ طعن ہوگا۔ اور اگر اس نے انہیں پہچان لیا اور انکار کر دیا کہ یہ میری احادیث نہیں ہیں تو معلوم ہو جائے گا یہ راوی ضابط ہے[8]۔ امام ابن معینؒ نے ابو نعیم فضل بن دکینؒ، اہلِ بغداد نے امام بخاریؒ اور اسی طرح ابو جعفر عقیلیؒ کے ساتھ ان کے شاگردوں نے مجلس تحدیث میں کیا تھا۔ اسی طرح حماد بن سلمہؒ، ثابت بنانیؒ سے جب کچھ احادیث سن لیا کرتے تو اگلے سال دوبارہ ان احادیث میں قلب کر کے ثابت بنانیؒ سے دوبارہ انہیں سنانے کی درخواست کرتے، کہ انہیں پتہ چلتا ہے یا نہیں، مگر ثابت بنانیؒ انہیں وہ احادیث بالکل درست اور اصل شکل کے ساتھ ہی بیان کر دیتے، یوں حماد بن سلمہؒ نے ثابت بنانیؒ کا ضابط و متقن ہونا معلوم کیا۔

2- راوی کا امتحان لینا، اس طور پر کہ اس راوی سے اس کی احادیث کی بابت مختلف اوقات میں سوال کیا جائے، مثلًا: کسی راوی کے پاس کوئی ناقدِ حدیث آئے اور اس سے کچھ حدیثیں سنانے کو کہے اور وہ راوی اسے سنا دے، کچھ عرصہ بعد دوبارہ یہ ناقد آ کر انہی احادیث کے دوبارہ سنانے کی درخواست کرے، پس اگر دوسری بار بھی اس نے وہ احادیث اسی طرح سنائیں، جس طرح اس نے پہلی بار سنائی تھیں، بغیر کسی تغییر و تبدیل اور تقدیم و تاخیر اور زیادت و نقصان کے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص اپنی حدیث کا ضابط اور متقن ہے۔ اور اگر اس نے دوبارہ اسی طرح نہیں سنائیں جس طرح پہلی بار سنائی تھیں، بلکہ ان میں تبدیلی کی، تقدیم و تاخیر کی یا زیادت و نقصان کے ساتھ بیان کیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ راوی اپنی احادیث کا ضابط نہیں ہے، اور اس کی غلطیوں کی مقدار و کیفیت کے اعتبار سے اس پر حکم لگایا جائے گا؛ چنانچہ دیکھا جائے گا کہ یہ راوی مکثر ہے یا مقلّ۔ اگر مکثر ہو اور یہ اخطاء عدد و نوع کے اعتبار سے تھوڑی ہوں تو اس کے مجموعی و اجمالی ضبط پر زیادہ اثر انداز نہ ہوں گی اور ان کو برداشت کر لیا جائے گا اور اگر وہ مقلّ ہو تو یہ اس

کے ضبط میں موجبِ طعن ہوگا، جیسے بعض اموی امراء نے امام زہریؒ سے کچھ احادیث سن کر اپنے پاس لکھ لی تھیں، پھر تقریباً سال بعد وہی احادیث دوبارہ ان سے سنیں، دونوں مرتبہ میں کوئی فرق نہیں تھا۔(9)

3- راوی اگر کتاب سے روایت کرتا ہے تو اس کے اصول پر نظر ڈالنا تاکہ معلوم ہو سکے کہ راوی نے کتابتِ حدیث کے ضوابط و شروط کا کس قدر التزام واہتمام کیا ہے۔

4- راوی اگر زبانی روایت کرتا ہے تو اس سے اس کے اصول طلب کیے جائیں تاکہ پتہ چلے کہ اس کی زبانی احادیث، اس کے اصول میں مکتوب احادیث کے مطابق ہیں یا نہیں، جس طرح امام ابوداؤدؒ کے بیٹے عبداللہ کسی شہر سفر پر گئے، اور اپنی کتابیں قافلہ والوں کے حوالہ کر کے خود ان سے پہلے نکل گئے، جب شہر پہنچے تو علاقے والوں نے ان سے احادیث سنانے کی فرمائش کی، انہوں نے عذر کیا کہ میری کتابیں ابھی نہیں پہنچیں، جب آجائیں گی تو بیان کر دوں گا، مگر طلبۂ حدیث کے اصرار پر انہوں نے زبانی احادیث بیان کر دیں، جو ہزاروں کی تعداد میں تھیں، کچھ دنوں بعد جب ان کی کتابیں پہنچ گئیں تو لوگوں نے ان کتابوں سے ان کی بیان کردہ احادیث کا مقارنہ کیا تو سوائے کچھ اوہام واخطاء کے جو عموماً ثقات کو لاحق ہوتے ہیں، تمام احادیث صحیح تھیں اور اصول میں مذکور احادیث کے مطابق تھیں۔

5- راوی کا ضبط معلوم کرنے کا ایک اور طریقہ ہے، جو نہایت مشقت طلب ہے، یہ طریقہ حفظِ واسع، فہم ثاقب اور علومِ حدیث بجمیع انواعہ کی ٹھوس معرفت وادراک کا متقاضی ہوتا ہے۔اس طریقہ یا عمل کو سَبْر مرویاتِ راوی یا اعتبار واختبار کہا جاتا ہے(10)۔اور راوی کی احادیث چاہے ایسی ہوں، جن میں اس نے دیگر راویوں کے ساتھ شرکت کی ہے، یا وہ ان کی روایت کرنے میں متفرد ہو، یا دونوں طرح کی احادیث ہوں، ہر ایک کا سبر ہوتا ہے، اور ہر ایک کے سبر کا طریقہ مختلف ہے۔

متأخرین اور معاصر اہلِ حدیث کے ہاں راوی کا ضبط معلوم کرنے کا طریقہ:

عصر الروایہ کے بعد، اور متقدمین نقاد وائمہ کے بعد کیا متأخرین اہلِ حدیث یا کسی اہل معاصر محدث کے لئے راوی کا ضبط معلوم کرنا ممکن ہے(11)؟

اس کا جواب ہے جی ہاں بعض حالات میں راوی کا ضبط معلوم کرنے کے لئے کچھ وسائل کو اختیار کیا جا سکتا ہے: مثلاً: کسی راوی کی توثیق یا تضعیف استفاضہ سے ثابت ہو، یا نقاد میں سے کسی ایک یا زائد نے اس راوی کی توثیق یا تضعیف پر تنصیص کی ہو، یا ائمہ متقدمین میں سے کسی کی توثیق ضمنی سے راوی کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ ائمہ نقاد جب راویوں پر حکم لگاتے ہیں کہ یہ محتج بہ ہے یا محتج بہ نہیں ہے تو یہ حکم ان کی عدالت وضبط دونوں کو پیش نظر رکھ کر ہی لگایا جاتا ہے؛ کیونکہ ائمہ جرح وتعدیل کے راویوں پر لگائے گئے احکام ان دونوں جہتوں یعنی: عدالت اور ضبط کو شامل ہوتے ہیں۔

رہا طریقۂ ''سبر'' جس پر چل کر ائمہ متقدمین نے روات کا ضبط معلوم کیا ہے تو متاخرین یا معاصرین اہلِ حدیث کے لئے راوی کا ضبط معلوم کرنے کے واسطے اس طریقہ پر استقلالًا [یعنی: بغیر اس کے کہ ان سے پہلے کسی متقدم امام نے اس راوی پر حکم لگایا ہو] اعتماد کرنا ممکن نہیں ہے۔ سوائے دو حالتوں کے، جو ان راویوں کے ساتھ خاص ہیں، جن پر کسی متقدم امام کی جرح وتعدیل ہمیں نہ ملی ہو، جیسے: مجہول اور شبہ مجہول راوی۔

پہلی حالت: یہ ہے کہ ہمیں اس مجہول راوی کی کوئی ایسی حدیث مل جائے، جو ظاہرا لنکارہ یا واضح البطلان ہو، تو ایسی صورت میں ہم راوی پر اس نکارت کے درجہ کے بقدر ضعف، یا شدتِ ضعف یا اتہام بالکذب کا حکم لگائیں گے، مگر اس کے لئے ایک اہم شرط ہے، اور وہ یہ کہ: جس اسناد میں یہ مجہول راوی موجود ہے اور جس کے متن میں یہ نکارت ہے، اس سند کے تمام راوی مقبول ہوں، سوائے اس مجہول راوی کے۔ حافظ ذہبیؒ نے ''میزان'' میں اور حافظ ابن حجرؒ نے ''لسان'' میں جن راویوں کی مستقل طور پر تضعیف کی ہے، وہ اسی طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے کی ہے۔

دوسری حالت: جس کا نتیجہ راوی کی حدیث پر ''قبولیت'' کا حکم لگانا ہے، اور یہ پہلی حالت سے زیادہ پر مشقت اور مشکل ہے۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ راوی ''مقلّ'' ہو، مکثر نہ ہو۔ اور اس کے مقلّ ہونے پر تنصیص کی گئی ہو، یا اس کے مقلّ ہونے کا کوئی شاہد ہمیں ملا ہو، بلکہ کبھی تو ائمہ اس کی مرویات کی تعداد پر بھی تنصیص فرماتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس راوی کی احادیث معلوم کرنی ہوں گی، اور اس کے لئے اسے خوب بحث میں خوب استقصاء کرنا ہوگا۔ پس جب اسے اس راوی کی احادیث مل گئیں، تو وہ [متاخر عالم، بشرطیکہ وہ فہم دقیق اور ممارست طویلہ رکھتا ہو] اس کی احادیث پر قبول کا حکم لگا سکتا ہے، اگر ان میں اسے قبول کی علامات ظاہر ہو جائیں، خاص طور پر جبکہ اسے ایسے قرائن مل جائیں جو اس کے اس ''سبر'' کے نتیجہ کی تایید کرتے ہوں، مثلاً: راوی کا طبقۂ تابعین میں سے ہونا، یا اس سے ایک جماعت کا راویت کرنا، یا ایسے قرائن مل جائیں، جو متقدمین کے اس راوی کو قبول کرنے کا شاہد ہوں، مثلاً: اس راوی کی حدیث بعض امہات کتبِ ستۃ میں موجود ہوں [بشرطیکہ ان احادیث کی تصحیح نہ کی گئی ہو؛ کیونکہ راوی کی احادیث کی تصحیح، توثیق ضمنی شمار ہوتی ہے؛ اور ایسی صورت میں عموماً اس طرح کے ''سبر'' کی ضرورت نہیں ہوتی]۔

رہے مکثر راوی، تو مکثر راویوں میں شاید کوئی ایسا راوی نہ ہو، جس پر ائمہ حدیث کا نقد نہ ملتا ہو، ائمہ عموماً اس طرح کے راویوں جو مکثر ہوں، پر حکم لگانے میں حریص رہتے ہیں؛ مگر اس بات سے انکار نہیں کہ ایسے راوی ہو سکتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد بہت ہی کم تعداد ہو گی، جن پر ائمہ کلام نہ کر سکے ہوں، جس کا کوئی بھی سبب ہو سکتا ہے؛ البتہ ہمارے علم میں ایسی کوئی مثال نہیں، مگر فرض کر لیں کہ ایسا کوئی راوی موجود ہے، جو مکثر ہے، مگر اس پر ائمہ کا نقد جرح یا تعدیل

کی صورت میں موجود نہیں ہے؛ تو ایسی صورت میں - جبکہ ان کی احادیث بھی بکثرت ہیں اور مشہور و پھیلی ہوئی ہیں- ان پر قبولیت و توثیق کا حکم لگانا ممکن نہیں ہے[12]؛ اس لئے کہ یہ قوی احتمال اور مظنہ موجود ہے[13] کہ متأخر عالم سے ان راویوں کی تھوڑی یا زیادہ احادیث چھوٹ گئی ہوں، اور انہی فوت شدہ احادیث میں کوئی ایک یا زیادہ ایسی شدیدا لنکارہ احادیث ہوں، جو ان راویوں کی تمام احادیث کو ساقط کرنے کے لئے کافی ہوں؛ کیونکہ بقول امام دار قطنیؒ: ”رُبَّ حديثٍ واحد أسقط مائة ألف حديث“۔[14] ہاں اس طرح کے راوی پر تضعیف کا حکم لگایا جاسکتا ہے، اور وہ بھی اس صورت میں جب ہمیں اس کی ایسی حدیث ملی جو شدیدا لنکارہ ہے، یا اس پر وضع کے آثار ظاہر ہیں، اور یہی ایک حدیث اس راوی کی باقی تمام احادیث کو ساقط کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اس کے بعد اس راوی کی مزید احادیث کا سبر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ: مکثر راوی پر توثیق کا حکم، جس پر متقدمین ائمہ کا نقد موجود نہ ہو، متأخرین کے لئے استقلالاً ممکن نہیں، ہاں تضعیف کے ساتھ حکم لگانا ممکن ہے، خصوصًا جب کسی راوی کی کثیر تعداد میں ایسی احادیث سامنے آجائیں جن میں نکارت ہو، یا اس کی کوئی ایسی حدیث یا احادیث سامنے آجائیں جن میں ایسی شدید و فاحش نکارت ہو، جس سے ناقد کو یہ گمان یا یقین ہو کہ یہ اس راوی کی شدید غفلت کا نتیجہ ہے، یا یہ کہ اس ایک یا زائد احادیث میں وضع کی علامات نظر آرہی ہوں، جس سے ناقد کو لگتا ہے کہ یہ خود اس راوی نے قصداً و عمداً گھڑی ہیں، تو ان صورتوں متأخر کے لئے بھی اس راوی پر تضعیف کے ساتھ حکم لگایا جاسکتا ہے اور کبھی کبھار تو راوی کی ایک حدیث بھی اس پر تضعیف کا حکم لگانے کے لئے کافی ہوتی ہے جب کہ اس میں شدید و فاحش نکارت یا وضع کی علامات پائی جارہی ہوں جو راوی کی تمام احادیث کے سقوط کا سبب بن جاتا ہے؛ مثلاً: راوی کسی نظیف سند کے ساتھ ایسا متن روایت کرے جو ظاہر البطلان ہو، اس میں وضع کے آثار واضح ہوں تو اس طرح کی ایک ہی حدیث اس راوی پر حکم تضعیف کے لئے کافی ہے؛ اس کے بعد اس کی مزید احادیث کا سبر کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی؛ کیونکہ ایسی صورت میں راوی کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی ہے، اور سقوطِ عدالت راوی کی تمام احادیث کو ساقط کر دیتی ہے۔ اس طرح کی مثالیں امام ذہبیؒ کی ”میزان الاعتدال“ اور حافظ ابن حجرؒ کی ”لسان المیزان“ میں جابجا ملتی ہیں؛ چنانچہ یہ دونوں ائمہ متأخرین میں شمار ہوتے ہیں، راویوں کی اچھی خاصی تعداد جن پر ہمیں ائمہ متقدمین کے احکام نہیں ملتے، ان دو حضرات نے ان راویوں پر تضعیف کا حکم لگایا ہے۔

مگر اس مذکورہ بالا تفصیل کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ: متأخرین اہل علماء کا سبر ان دو حالتوں کے علاوہ بالکل مفید نہیں، بلکہ ان دو حالتوں کے علاوہ بھی مفید ہے: چنانچہ جس راوی میں جرح و تعدیل کے اعتبار سے شدید اختلاف ہو، تو اس کی

حدیث کا ''سبر'' کر کے ان مختلف اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جاسکتی ہے، خواہ وہ راوی مکثر ہو یا مقلّ، اور خواہ ''سبر'' کا نتیجہ قبول ہو یا ردّ۔ ایسی صورت میں ''سبر'' کا مقصد ''مرجّح'' تک رسائی ہوگا، نہ کہ مستقل طور پر حکم لگانا۔

کیا مقلّ راوی پر متأخرین حکم لگا سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب متأخرین مکثر راوی پر تضعیف کا حکم لگا سکتے ہیں، تو مقل پر بطریق اولی لگایا جاسکتا ہے، بلکہ بسا اوقات تو مقلّ راوی پر متأخرین توثیق کا حکم بھی لگا سکتے ہیں، جبکہ اس مقلّ راوی کی احادیث کی تعداد پر ائمہ نے تنصیص کی ہو کہ فلاں راوی کی چار احادیث ہیں، یا پانچ احادیث ہیں، یا دس احادیث ہیں وغیرہ، متأخرین یا معاصر محدثین نے خوب استقصاء کے ساتھ بحث کی اور یہ احادیث انہیں مل گئیں، پھر دیکھا تو یہ راوی ان احادیث میں دیگر ثقات کا مشارک ہے اور اس نے ان سب احادیث میں ان کی موافقت کی ہے؛ تو اب اس راوی پر ہم حکم لگا سکتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے اور یہاں کسی حدیث کے فوت ہونے کا احتمال بھی نہیں، جس کے شدید النکارہ ہونے کا امکان ہو [اگرچہ انتہائی ضعیف احتمال ہو سکتا ہے، مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں]؛ کیونکہ ائمہ نے جتنی تعداد پر نص فرمائی، وہ ہمیں مل چکی ہیں؛ لہذا اس طرح کے کسی احتمال کا کوئی وزن و قیمت نہیں۔

نتائج بحث:

* صحتِ حدیث کے لئے راوی کا صدق و امانت سے متصف ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ضابط بھی ہو۔
* ضبط کے نتیجہ میں علم الجرح والتعدیل اور علم علل الحدیث وجود میں آئے۔
* علوم الحدیث کی اکثر انواع مثلاً: منکر، شاذ، مضطرب، مزید فی متصل الأسانید، معلول، مدرج، حدیث مختلط، مقلوب وغیرہ ضبط ہی کے گرد گھومتی ہیں۔
* مراتبِ رواۃ میں تفاوت کا عمومی سبب ضبط ہی ہے۔
* متأخرین اور معاصر محدثین کے لئے مکثر راوی پر توثیق کا حکم لگانا اگر محال نہیں تو متعذر ضرور ہے، البتہ تضعیف کا حکم بعض حالات میں لگایا جاسکتا ہے۔

*متأخرین و معاصر اہلِ حدیث کے لئے مقلّ راوی پر تضعیف کا حکم لگانا تو ممکن ہے ہی، بعض حالات میں توثیق کا حکم لگانا بھی ممکن ہے

*متأخرین و معاصر اہلِ حدیث ''سبر'' کے ذریعے مکثر راوی کی بابت متقدمین نقاد کے درمیان اختلاف کی صورت میں کسی ایک جانب کو ترجیح دے سکتے ہیں۔

حواشی و تعلیقات:

(1) ابن الصلاح، "معرفة أنواع علوم الحديث" (ص: 119).

(1) Ibn us-Salah, "Marifat anwa'i'l-Ulum al-Hadeeth" (p. 119).

(2) انظر: الزمخشري، "أساس البلاغة" (ص: 370)، زين الدين الرازي، "مختار الصحاح": مادة (ضبط) (ص: 245)، ابن منظور، "لسان العرب": مادة (ضبط) (340/7)، الفيومي، "المصباح المنير في غريب الشرح الكبير" (357/2).

(2) See: al-Zamakhshari, "Asas ul-Balagha"(p.370),Zayn al-Din al-Razi,"Mukhtar us-Sahaah":(p.245), Ibn Manzoor,"Lisan al-Arab":(7/340) al-Fawmi,"Al-Misbah al-Munir fi Gharib al-Sharh al-Kabeer" (2/357).

(3) قال الإمام محمد بن إدريس الشافعي رحمه الله تعالى: «ولا تقوم الحجة بخبر الخاصة حتى يجمع أمورًا؛ منها: أن يكون من حدث به ثقة في دينه، معروفًا بالصدق في حديثه، عاقلًا لما يحدث به، عالِمًا بما يحيل معاني الحديث مِنَ اللفظ، وأن يكون ممن يؤدي الحديث بحروفه كما سمع، لا يحدث به على المعنى؛ لأنه إذا حدث على المعنى وهو غير عالم بما يحيل به معناه، لم يدر لعله يُحيل الحلال إلى الحرام، وإذا أداه بحروفه فلم يبق وجهٌ يخاف فيه إحالته الحديث، حافظًا إن حدث به من حفظه، حافظًا لكتابه إن حدَّث مِنْ كتابه، إذا شَرِكَ أهلَ الحفظ في حديث وافَق حديثهم، بريئًا من أن يكون مدلسًا، يحدِّث عمن لقِي ما لم يسمع منه، ويحدث عن النبي ما يحدث الثقات خلافه عن النبي ﷺ». "الرسالة" (ص: 370 - 371).

(3) "Al-Risala" (p. 370- 371).

(4) مسلم، " المسند الصحيح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول الله ﷺ" (6/1).

(4) Muslim, "Al-Musnad us-Saheeh ul-Khattab min as-Sunan bi naqli al-Adl an al-'Adl an-Rasulullah sallallahu alayhi wa sallam" (1/6).

(5) مگر حافظ ابن رجبؒ کی امام بخاریؒ کی طرف اس رائے کی نسبت محلِ نظر ہے؛ چنانچہ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے قسمِ ثالث کے راویوں کی احادیث کی تخریج بھی فرمائی ہے اور ان کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

(6) ابن رجب، "شرح علل الترمذي" (ص: 396 - 398).

(6) Ibn Rajab, Sharh al-'Alal al-Tirmidhi (p. 396-398).

(7) قال ابن الأثير وهو يضبط الضبط: «هو عبارة عن احتياط في باب العلم، وله طرفان: العلم عند السماع والحفظ بعد العلم عند التكلم، حتى إذا سمع ولم يعلم، لم يكن شيئًا معتبرًا، كما لو سمع صياحًا لا معنى له وإذا لم يفهم اللفظ بمعناه على الحقيقة لم يكن ضبطًا، وإذا شك في حفظه بعد العلم والسماع لم يكن ضبطًا. ثم الضبط نوعان: ظاهر وباطن. فالظاهر: ضبط معناه من حيث اللغة. والباطن: ضبط معناه من حيث تعلق الحكم الشرعي به، وهو الفقه. ومطلق الضبط الذي هو شرط في الراوي، هو الضبط ظاهرًا عند الأكثر، لأنه يجوز نقل الخبر بالمعنى ...». "مقدمة جامع الأصول" (72/1).

(7) "Muqaddamah Jami ul-Usol" (1/72).

(8) تاريخ بغداد، طبعة دار الكتب العلمية (349/12).

(8) Tarikh Baghdad, Dar-ul-Kutub al-Ilmiyyah (12/349).

(9) قلتُ: «مسألة كثرة الخطأ وقلته مسألة نسبيَّة، ترجع إلى كثرة حديث الراوي وقلته، فمن كان مكثرًا من أحاديثه الصحيحة، وأخطأ في أحاديث قليلة؛ احْتُمِل له ذلك الخطأ، كمن كان عنده عشرة آلاف حديث مثلًا،

وأخطأ في عشرين حديثًا منها، وهذا بخلاف من لم يكن عنده إلا حديث واحد مثلًا، وأخطأ فيه، فمثل هذا يكون متروكًا، أو كمن عنده عشرة أحاديث، وأخطأ في خمسة منها؛ فهذا يطعن فيه، مع أن الخطأ في عشرين حديثًا، أو خمسين حديثًا، لا يضر من كان مكثرًا، واسع العلم والحصيلة». والله تعالى أعلم.

(10)قال ابن معين: «قال لي إسماعيل بن علية يومًا: كيف حديثي؟ قلت: أنت مستقيم الحديث، فقال لي: وكيف علِمتم ذاك؟ قلت له عارَضْنا بها أحاديث الناس، فرأيناها مستقيمة، فقال: الحمد لله» ابن معين، التاريخ - رواية ابن محرز (39/2).
(10) Ibn Ma'in, al-Tarikh , Narrated by Ibn e-Muhriz (2/39).

(11) متأخرین راوی کا ضبط معلوم کرنے کے لئے ''سبر'' کا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں، یا نہیں، اس بارے میں کوئی مطرد یا کلی حکم نہیں ہے، نہ ہی کوئی دو ٹوک بات کہی جا سکتی ہے، بلکہ اس میں جن راویوں کی احادیث کا سبر کیا جائے گا، ان راویوں کے مختلف احوال کو دیکھتے ہوئے ہی کچھ کہا جا سکتا ہے، ہاں سبر کا نتیجہ راوی کی تضعیف ہو تو اس نوع کا نقد متأخرین کی جانب سے ممکن ہے، اور راوی کی تضعیف کے دلائل اور قرائن متأخرین بلکہ معاصر محدثین کے لئے ظاہر ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ان میں نقد و سبر کی اہلیت ہو۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

(12) وجہ اس کی یہ ہے کہ مکثر راوی، بعض احادیث کے فوات کا مظِنّہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ اس کی کچھ احادیث ہمیں نہ مل سکیں، اور یہ بھی قوی احتمال ہے کہ جو احادیث ہمیں نہ مل سکی ہوں، انہی میں کوئی ایسی فاحش نکارت موجود ہو، جو اس کی عدالت کے سقوط کا سبب بننے کے لئے کافی ہوں اور سقوطِ عدالت راوی کی تمام احادیث کے سقوط کا موجب بنتی ہے۔

(13) عموماً راوی جب مکثر ہو تو اس پر نقاد کے احکام ضرور موجود ہوں گے، بالفعل ایسے مکثر و حفاظ رواۃ نہ ہونے کے برابر ہیں، جن میں ائمہ جرح و تعدیل کی نہ جرح پائی جائے اور نہ ہی تعدیل؛ کیونکہ ائمہ متقدمین اس طرح کے راویوں پر حکم لگانے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور ان میں بکثرت کلام کرتے ہیں، سوائے نادر حالات کے۔

(14)قال الحاكم: قلت: فالربيع بن يحيى الأشناني؟ قال -أي: الدارقطني-: «ليس بالقوي يروي عن الثوري، عن ابن المنكدر، عن جابر:"الجمع بين الصلاتين". وهذا يسقط مئة ألف حديث». الدارقطني، "سؤالات الحاكم" (ص: 142).

(11) Al Daraqutni, suwlat ul Hakim (p. 142).